18

چندہ تحریک جدید جلد ادا کرنے کی کوشش کی جائے

(فرمودہ 20 جون 1941ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"تحریک جدید کے مالی سال میں سے بہت سے مہینے گزر چکے ہیں اور اب ساتویں سال کے قریباً پانچ مہینے باقی ہیں۔ سوائے ان مستثنیات کے کہ بعض لوگ مجبوریوں کی وجہ سے زیادہ مہلت لے لیتے ہیں یا دوسرے ممالک میں رہنے والے ہیں یا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں رہتے ہیں۔ باقی سب کے نومبر کے آخر تک بارہ مہینے پورے ہو جائیں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ اس سال تحریک جدید میں چندہ لکھانے والوں میں سے ایک معتد بہ حصہ نے یہ کوشش کی ہے کہ ان کا وعدہ مئی میں پورا ہو جائے۔ چنانچہ اس سال گزشتہ سال کی نسبت مئی کے مہینہ تک پندرہ ہزار روپیہ کی آمد زیادہ ہوئی ہے مگر سال کو مدنظر رکھتے ہوئے درحقیقت ابھی وعدوں کا نصف حصہ وصول ہوا ہے۔ حالانکہ سات مہینے گزر چکے ہیں اور پانچ مہینے باقی ہیں۔

پھر اس وصولی میں بیرونی جماعتوں کا بھی ایک حد تک چندہ شامل ہے جن کی مہلت نومبر کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ ان کو اگر نکال دیا جائے تو ہندوستان کے چندہ میں سے ابھی نصف بھی وصول نہیں ہوا مگر بہرحال بعض گزشتہ سالوں سے اس سال اچھی وصولی ہوئی ہے اور وقت پر ہوئی ہے لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے ابھی کثیر حصہ چندہ دینے والوں کا ایسا ہے جن کی رقوم وصول نہیں ہوئیں اور

دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اس لئے میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس چندہ کو جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کریں۔

یہ چندہ جیسا کہ میں نے بار بار توجہ دلائی ہے طوعی ہے۔ اس میں کسی پر جبر نہیں کیا جاتا، کوئی تعیین نہیں ہوتی، کوئی زور نہیں دیا جاتا بلکہ ہر شخص اپنی مرضی، اپنی خواہش، اپنے ظرف اور اپنے ایمان کی وسعت کے مطابق چندہ لکھواتا ہے۔

ہزاروں ہزار ہماری جماعت میں ایسے لوگ موجو د ہیں جو تحریک جدید میں چندہ نہیں لکھواتے اور انہوں نے سات سالوں میں سے ایک سال میں بھی حصہ نہیں لیا مگر ان کو کوئی بُرا نہیں کہتا اس لئے کہ یہ فرضی چندہ نہیں کہ اگر کوئی شخص اس میں اپنا وعدہ نہ لکھائے تو اسے کہا جائے کہ اس نے جماعت کے فرائض کو ادا نہیں کیا بلکہ جو شخص بھی چندہ دیتا یا چندہ ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے وہ اپنی خوشی سے یہ ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرتا ہے اور اس لئے کرتا ہے تا نوافل کے ثواب میں وہ شریک ہو جائے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان نوافل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ہر حرکت جو وہ خدا تعالیٰ کی طرف کرتا ہے اس کے جواب میں خدا اس سے زیادہ حرکت کرتا ہے اگر وہ ایک قدم چلتا ہے تو خدا دو قدم چل کر آتا ہے اور اگر وہ تیز چلتا ہے تو خدا دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اسی طرح بندہ خدا کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ خدا اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے اور خدا اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اور خدا اس کے پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔[1] گویا ایسے بندے اور خدا کے درمیان ایسا اتصال اور اتحاد پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی خواہشات خدا تعالیٰ کی خواہشات ہو جاتی ہیں

کوئی بندہ خدا نہیں بن سکتا۔ بندہ بندہ ہی ہے اور خدا خدا ہی۔ مگر الوہیت

کی چادر اوڑھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ انسان خدا کے ساتھ متصل ہو جائے اور اس کی روح خدا کی صفات میں منضم ہو جائے حتی کہ اس کے ارادے وہی ہو جائیں جو خدا کے ارادے ہیں، اس کی خواہشات وہی ہو جائیں جو خدا کی خواہشات ہیں اور اس کے مقاصد وہی ہو جائیں جو خدا کے مقاصد ہیں۔تب بندہ ایک رنگ میں خدا ہی بن جاتا ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی کچھ ہو جاتا ہے۔نادان لوگ اسے دیکھ کر بعض دفعہ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ وہ بندہ اپنے اندر خدائی صفات رکھتا ہے۔حالانکہ بات یہ نہیں ہوتی کہ اس کے اندر خدائی صفات آ جاتی ہیں۔بلکہ بات یہ ہوتی ہے کہ اس نے اپنی مرضی کو قربان کر کے خدا کی مرضی کو اختیار کیا ہوُا ہوتا ہے اور گو بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے مگر دراصل وہ اپنی ذات میں کچھ چاہتا ہی نہیں۔وہ وہی کچھ چاہتا ہے جو خدا چاہتا ہے اور چونکہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ درحقیقت خدا کا ارادہ اور اس کا منشاء ہوتا ہے اس لئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی بات پوری ہوئی حالانکہ اس کی بات نہیں بلکہ خدا کی بات پوری ہوتی ہے۔لوگ تو صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ فلاں شخص کی زبان سے بات نکلی اور وہ پوری ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کی زبان میں بڑی تاثیر ہے حالانکہ اس کی زبان میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ تاثیر اس لئے ہوتی ہے کہ اس نے اپنی زبان کاٹ دی ہوتی ہے، اس نے اپنے وجود کو مٹا دیا ہوتا ہے، اور اس کی اپنی کوئی خواہش رہتی ہی نہیں۔اس لئے جب وہ بولتا ہے تو اس کی زبان نہیں بولتی بلکہ خدا کی زبان بولتی ہے اور جب اس کی بات پوری ہوتی ہے تو اس کی بات پوری نہیں ہوتی بلکہ خدا کی بات پوری ہوتی ہے۔

یہی مطلب رسول کریم ﷺ کی اس حدیث کا ہے کہ اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ ہو جاتے ہیں۔یعنی وہ اپنے ہاتھوں کو معطل کر دیتا اور انہیں ایک آلہ کی طرح خدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے جس طرح قلم نہیں لکھتی بلکہ ہاتھ لکھتا ہے۔ اسی طرح جو کچھ اس کے ہاتھ کرتے ہیں وہ اس کے ہاتھ نہیں کرتے بلکہ خدا کے ہاتھ

کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے پاؤں خدا کے پاؤں ہو جاتے ہیں، اس کی آنکھیں خدا کی آنکھیں ہو جاتی ہیں اور اس کی زبان خدا کی زبان ہو جاتی ہے۔ ایسا انسان جب کسی ملک میں جاتا ہے تو وہاں خدا تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور جب بات کرتا ہے تو زمین و آسمان میں تغیر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جب ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی آفاق میں تغیر رونما ہونے لگ جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے ہاتھ معطل کئے ہوئے ہوتے ہیں، اس نے اپنے پاؤں معطل کئے ہوتے ہیں اور اس نے اپنی زبان معطل کی ہوئی ہوتی ہے اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے وہی خدا تعالیٰ کا منشاء اور اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر انسان دنیا کے مصائب اور ابتلاء سے اس رنگ میں محفوظ ہو جاتا ہے کہ وہ اسے کچل نہیں سکتے۔ یہ نہیں کہ ایسے انسان پر مصیبتیں نہیں آتیں یا بیماریاں نہیں آتیں یا دشمن اسے تکلیفیں نہیں پہنچاتے یا حکومتیں اسے گرفتار یا قید نہیں کر سکتیں۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے بیماریاں بھی آتی ہیں، مصیبتیں بھی آتی ہیں، دشمن بھی ستاتے ہیں اور حکومتیں بھی گرفتار کرتی اور قید کرتی ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے مگر گورنمنٹ نے ان کو گرفتار کیا قید میں رکھا اور پھر پھانسی پر لٹکا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے مگر فرعون کے مقابلہ میں انہیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ رسول کریم ﷺ خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب اور رسول اور تمام نبیوں کے سردار تھے مگر آپ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ اسی طرح آپ کو مارا گیا، آپ کو پیٹا گیا، آپ کو زخم بھی لگے، آپ کے دانت بھی شہید ہوئے اور آپ پر ایسا وقت بھی آیا کہ آپ ایک گڑھے میں گر گئے اور کئی صحابہ کی لاشیں آپ پر آ پڑیں اور کفار نے یہ خیال کر کے خوشیاں منائیں کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ پھر آپ بیمار بھی ہوئے اور بعض دفعہ لمبے عرصہ تک بیمار رہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح وفات کے وقت آپ کو اتنی شدید تکلیف ہوئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب تک رسول کریم ﷺ کی جان کنی کی تکلیف کو

میں نے نہیں دیکھا، میں یہی سمجھتی تھی کہ جسے جان کنی کے وقت شدید تکلیف ہو اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ مگر جب میں نے رسول کریم ﷺ کی جان کنی کی تکلیف دیکھی تو میں نے اپنے اس خیال سے توبہ کی اور میں نے سمجھا کہ جان کنی کی تکلیف کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔2

ہمارے ملک میں بھی عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جسے جان کنی کے وقت زیادہ تکلیف ہو وہ برا آدمی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ تکلیف جسمانی طاقت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ کوئی شخص بہت مضبوط اور قوی ہوتا ہے اور کوئی کمزور اور نحیف ہوتا ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ قوی چیز میں کوئی چیز گڑی ہوئی ہو تو اس کا نکالنا مشکل ہوتا ہے اور کمزور میں سے اس کا نکالنا آسان ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کے مسوڑھے کمزور اور گلے سڑے ہوں اور ان میں پیپ پڑی ہوئی ہو تو ایسے مسوڑھوں میں سے دانت آسانی سے نکل آئیں گے لیکن جس شخص کے مسوڑھے مضبوط اور قوی ہوں اور اس کے دانتوں کی جڑیں مسوڑھوں کی عمدگی کی وجہ سے مضبوط ہوں تو ڈاکٹر بعض دفعہ کئی کئی منٹ زور لگا کر اس کے دانت نکالتے ہیں۔ اب اگر جس شخص کا آسانی سے دانت نکل آئے اس کے متعلق کوئی کہنا شروع کر دے کہ اس کا دانت اس لئے آسانی سے نکلا تھا کہ وہ نیک تھا اور جس کا تکلیف سے دانت نکلے اس کے متعلق کہنا شروع کر دے کہ اس کا دانت اس لئے تکلیف سے نکلا تھا کہ وہ بُرا تھا تو یہ اس کی غلطی ہو گی۔ کیونکہ اس کا تعلق کسی کی نیکی یا بدی کے ساتھ نہیں بلکہ مسوڑھوں کی مضبوطی یا کمزوری کے ساتھ ہے۔ وہ شخص جس کا دانت آسانی سے نکل آیا تھا اس کے مسوڑھے گلے سڑے تھے اور وہ جس کا دانت تکلیف سے نکلا اس کا جسم تندرست اور مسوڑھے مضبوط تھے۔ جب مضبوط مسوڑھوں میں سے دانت نکالا جائے گا تو لازماً زیادہ زور لگے گا اور جب کمزور مسوڑھوں میں سے دانت نکالا جائے گا تو زور کم لگے گا۔ جیسے کیچڑ میں اگر کیلا گڑا ہوا ہو تو ایک بچہ بھی آسانی سے اسے نکال سکتا ہے لیکن اگر پتھر میں گڑا ہوا ہو تو ایک مضبوط جوان بھی اسے نہیں نکال سکتا۔

اسی طرح مضبوط جسم میں سے جب جان نکلتی ہے تو بڑی مشکل سے نکلتی ہے جیسے پتھر میں سے کیلا نکالنا مشکل ہوتا ہے لیکن کمزور جسم میں سے آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے۔اسی حقیقت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ انسان جس کے دل میں دنیا کی محبت ہو اس کی جان سخت تکلیف سے نکلتی ہے۔لیکن دوسری طرف وہ لوگ جو دنیا کی خیر خواہی میں گھل رہے ہوتے ہیں ان کی جان بھی مشکل سے نکلتی ہے۔ جو لوگ دنیا کی محبت میں گھل رہے ہوتے ہیں ان کی جان تو اس لئے مشکل سے نکلتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ہمیں جو چیز سب سے زیادہ پیاری تھی اب وہ ہمارے ہاتھ سے چھوٹ رہی ہے اور انبیاء کی جان اس لئے تکلیف سے نکلتی ہے کہ ان کے دل و دماغ پر اس وقت یہ خیال غالب ہوتا ہے کہ لوگ بغیر نگرانی کے رہ جائیں گے معلوم نہیں بعد میں ان کا کیا حال ہو اور وہ چاہتے ہیں کہ بنی نوع انسان میں کچھ اور مدت رہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ مزے اڑائیں بلکہ اس لئے کہ لوگ نیک بن جائیں۔ پس دنیا کو چھوڑنا دونوں کے لئے ہی تکلیف دہ ہوتا ہے مگر ایک روح تو اس لئے تکلیف محسوس کرتی ہے کہ وہ دنیا کے عیش اور آرام سے حظ اٹھانا چاہتی ہے اور دوسرے کی روح اس لئے تکلیف محسوس کرتی ہے کہ لوگ بغیر نگرانی کے رہ جائیں گے۔ پس بظاہر دونوں کو ہی تکلیف ہوتی ہے اورایک نادان اور احمق انسان جو نہیں جانتا کہ یہ تکلیف کیوں ہوتی ہے یا وہ جسے حقائق کا تجربہ نہیں ہوتا، خیال کرتا ہے کہ شاید ایمان کی کمی کی وجہ سے یہ تکلیف ہو رہی ہے مگر جب اس کی عقل تجربہ سے راہنمائی حاصل کر لیتی ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ جان کنی کی تکلیف کی کئی وجوہ ہوتی ہیں۔ کبھی ایک نیک شخص جان کنی کی تکلیف اٹھاتا ہے اور بد جان کنی کی تکلیف نہیں اٹھاتا ہے اور کبھی بد جان کنی کی تکلیف اٹھاتا ہے اور نیک جان کنی کی تکلیف نہیں اٹھاتا۔اور اس کی وجہ وہی ہوتی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ ایک کا جسم مضبوط ہوتا ہے اور دوسرے کا کمزوراور کمزور جسم میں سے آسانی کے ساتھ جان نکل جاتی ہے لیکن مضبوط جسم میں سے آسانی کے ساتھ جان نہیں نکلتی۔ مثلاً

ایک بوڑھا شخص جس کا جسم گھل چکا ہو بعض دفعہ باتیں کرتے کرتے اس کی جان نکل جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کتنا نیک تھا کہ باتیں کرتے کرتے اس کی جان نکل گئی۔ حالانکہ باتیں کرتے کرتے اس کی جان اس لئے نہیں نکلی کہ وہ نیک تھا بلکہ اس لئے نکلی کہ اس کی جان پہلے ہی مری ہوئی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک اندھے سے کسی نے کہا کہ سو جاؤ تو وہ کہنے لگا ہمارا سونا کیا ہے چُپ ہو جانا۔ یعنی سونا کس کو کہتے ہیں؟اس کو کہ انسان آنکھیں بند کرے اور خاموش ہو جائے اب آنکھیں تو اس کی پہلے ہی بند تھیں۔ اس نے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ سو جاؤ تو میں نے اَور کیا کرنا ہے خاموش ہو جاتا ہوں۔ تو کسی بوڑھے کی جان اگر آرام سے نکلتی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ بڑا نیک ہوتا ہے بلکہ یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کا جسم گھل چکا ہوتا ہے اور جان آسانی سے نکل جاتی ہے۔ جیسے بوسیدہ دانت گلے سرے مسوڑھوں سے آسانی کے ساتھ الگ ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ روٹی کھاتے ہوئے لقمہ میں آجاتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان جس کا جسم گھل چکا ہوتا ہے جب عزرائیل اس کی جان نکالنے آتا ہے تو بوسیدہ او ر ہلے ہوئے دانت کی طرح آسانی کے ساتھ اسے الگ کر لیتا ہے لیکن جس کا جسم مضبوط ہوتا ہے اسے جان کنی کی سخت تکلیف ہوتی ہے اور دوسری وجہ تکلیف کی یہ ہے کہ دنیا سے شدید محبت ہو یا دنیا میں اس کے سپرد کوئی ایسا اصلاح کا کام ہو جس کا چھوڑنا اس پر اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کی اصلاح کے خیال سے شاق گزرتا ہو۔

غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پہلے یہی سمجھتی تھی جیسے آج کل عوام میں خیال پایا جاتا ہے کہ جس کی جان تکلیف سے نکلتی ہے وہ بُرا ہوتا ہے۔ اور جس کی جان آرام سے نکلتی ہے وہ نیک ہوتا ہے۔ مگر جب رسول کریم ﷺ کی جان کنی کی تکلیف کو میں نے دیکھا تو اس خیال سے توبہ کی اور میں نے سمجھا کہ اس کا تعلق ایمان کے ساتھ نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کو دنیا میں تکالیف پہنچی ہیں

اور کوئی نبی اور ولی ایسا نہیں گزرا جن پر مصیبتیں نہ آئی ہوں۔ مگر جو چیز ان پر نہیں آتی اور جس میں انبیاء دوسروں سے مستثنیٰ ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان پر کوئی ایسی تکلیف نہیں آتی جو انہیں مایوس کر دے یا خدا تعالیٰ کی رحمت سے انہیں محروم کر دے۔ ورنہ تکالیف ان پر بھی آتی ہیں اور بعض دفعہ تو بڑی بڑی تکلیفیں آتی ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو ابو جہل بے شک مر گیا اور خدا نے اسے دنیا و آخرت میں ذلیل کر دیا لیکن جسمانی زندگی اور دنیا کے آرام کو اگر دیکھا جائے تو ابو جہل کی زندگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے زیادہ آرام میں گزری ہے۔ بے شک اس کی زندگی کے آخری لمحات میں خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کی آرام کی زندگی خدا تعالیٰ کے کسی فضل کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ وہ ایسی ہی تھی جیسے شیطان کو ڈھیل دی گئی ہے۔ لیکن اس سے پہلے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ابو جہل آرام میں ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف میں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا انسان کے ہاتھ بن جانا یا پاؤں بن جانا یا زبان بن جانا یہ معنے نہیں رکھتا کہ ایسا انسان مصیبتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان ان مصائب سے محفوظ ہو جاتا ہے جو تباہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ ورنہ ظاہری تکالیف انبیاء کو بھی پہنچتی ہیں ، صدیقوں کو بھی پہنچتی ہیں، شہیدوں کو بھی پہنچتی ہیں اور صالحین کو بھی پہنچتی ہیں بلکہ شہید تو کہتے ہی اسے ہیں جو خداتعالیٰ کی راہ میں مارا جائے۔ پھر ہم شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں؟ اور ان دشمنوں کے متعلق جو لڑائی میں مارے جاتے ہیں یہ کیوں کہتے ہیں کہ وہ خد اتعالیٰ کے عذاب سے مارے گئے ہیں؟ اسی لئے کہ شہید کی شہادت خدا تعالیٰ کے فضلوں کے نیچے ہوتی ہے اور اس کے دشمنوں کی موت خداتعالیٰ کی لعنت کے نیچے ہوتی ہے۔ پس دشمن کی موت کو تو ہم عذاب قرار دیتے ہیں مگر شہید کی موت کو انعام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بدر میں مارے جانے والے صحابہؓ کی ہم کتنی عزت کرتے ہیں لیکن بدر میں مارے جانے والے کفار کے متعلق کہتے ہیں کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا۔ حالانکہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی لڑائی میں

دونوں مارے گئے تھے۔ کفار بھی اسی لڑائی میں ہلاک ہوئے اور صحابہؓ بھی اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ مگر ایک کے متعلق تو ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل کیا اور انہیں اپنے انعامات سے نوازا اور دوسروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان پر غضب نازل ہوا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک گروہ تو خدا تعالیٰ کے فضلوں کے نیچے مرا اور دوسرا گروہ اس کی لعنتوں کے نیچے مرا۔ تو اللہ تعالیٰ کا انسان کے ہاتھ ہو جانا یا پاؤں بن جانا یہ معنے نہیں رکھتا کہ ایسے انسان تکلیفوں سے بچ جاتے ہیں بلکہ یہ معنے ہوتے ہیں کہ ایسے انسان اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نیچے آ جاتے ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا اتصال ہو جاتا ہے کہ ان کی خواہشات خدا کی خواہشات بن جاتی ہیں اور ان کی آرزوئیں خدا کی آرزوئیں بن جاتی ہیں۔ اس لئے وہ کبھی کوئی ایسی خواہش نہیں کر سکتے جس نے رد ہو جانا ہو۔ مگر اس کے یہ معنے بھی نہیں کہ گھروں میں روز مرہ پیش آنے والے امور کے متعلق بھی ان کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے بلکہ اس سے مراد صرف وہ خواہشات ہیں جو انسانی زندگی کے مقاصد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً یہ تو ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ایک مقرب انسان کو پیچش کی شکایت ہو اور اس کی طبیعت خشکے3 کو چاہے تو وہ گھر میں تیار نہ ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی وہ خواہشات پوری نہ ہوں جو اس کی زندگی کے مقاصد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ ورنہ بشریت کے ماتحت تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے کہ ایک انسان بعض دفعہ ایک چیز کی خواہش کرتا ہے اور وہ گھر میں موجود نہیں ہوتی۔ یا چاہتا ہے کہ فلاں کام ہو جائے مگر وہ حسب منشاء نہیں ہوتا لیکن ایسی خواہشات اپنے اندر کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں۔ اور بعض دفعہ تو ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد انسان کو یاد بھی نہیں رہتا کہ اس کے دل میں کیا خواہش پیدا ہوئی تھی۔ پس جو خواہشات ایسے انسان کی لازماً پوری ہوتی ہیں وہ وہی ہوتی ہیں جو اس کی زندگی کے مقاصد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جن کے پورا نہ ہونے سے اس کا آرام دکھ سے بدل جاتا ہے۔ عام خواہشات اس میں شامل نہیں اور نہ ہی وہ اتنی اہم ہوتی ہیں بلکہ بعض دفعہ تو

انسان ایسی خواہش کے پورا ہونے پر اسی وقت ہنس پڑتا اور ملال جاتا رہتا ہے۔ پس اس کے یہ معنی نہیں کہ ایسے انسان کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے بلکہ صرف وہ خواہشیں پوری ہوتی ہیں جو اس کی زندگی کے مقاصد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

تحریک جدید کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ لوگ جو اس کے چندہ میں حصہ لیں خدا ان کے ہاتھ بن جائے، خدا ان کے پاؤں بن جائے، خدا ان کی آنکھیں بن جائے، اور خدا ان کی زبان بن جائے اور وہ ان نوافل کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے ایسا اتصال پیدا کر لیں کہ ان کی مرضی خدا کی مرضی اور ان کی خواہشات خدا کی خواہشات ہو جائیں۔اس عظیم الشان مقصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے تم غور کرو کہ جب تمہارا اس تحریک میں حصہ لینے سے مقصد یہ ہے کہ خدا تمہارے ہاتھ بن جائے، خدا تمہارے پاؤں بن جائے، خدا تمہاری آنکھیں بن جائے اورخدا تمہاری زبان بن جائے تو کیا خدا کبھی سست ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگر تمہارے اندر سستی پیدا ہو گئی ہے تو تمہارا نفل کوئی اچھا نفل نہیں اور اس میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص رہ گیا ہے۔ورنہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ نوافل کے ذریعہ خداتمہارے ہاتھ بن جاتا اور پھر بھی تمہارے ہاتھوں میں کوئی تیزی پیدا نہ ہوتی۔ خدا کا طریق تو یہی ہے کہ وہ اپنے کاموں میں جلدی کرتا ہے اور جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے۔پس جو شخص تحریک جدید کے چندہ میں حصہ تو لیتا ہے مگر اس چندہ کی جلد ادائیگی کا فکر نہیں کرتا اسے سمجھنا چاہئے کہ اس کا فعل ناقص ہے۔ورنہ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ خدا اس کے ہاتھ اور پاؤں بن جاتا اور پھر بھی وہ نیکی میں پیچھے رہ جاتا۔کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی کے ہاتھ بن جائے اور وہ نیکی میں پیچھے رہ جائے یا خدا کسی کے پاؤں بن جائے اور پھر بھی وہ ثواب کے کاموں کے لئے حرکت نہ کرے اور خدا اس کی زبان بن جائے اور پھر بھی وہ جھوٹا وعدہ کرے۔جس شخص کے ہاتھ اور پاؤں خدا بن جاتا ہے وہ کبھی نیکی میں پیچھے نہیں رہ سکتا اور جس شخص کی زبان خدا بن جاتا ہے وہ کبھی جھوٹا وعدہ

نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کی زبان تو خدا کی زبان ہو گئی مگر وہ سارا سال اپنی زبان سے جھوٹا وعدہ کرتا رہایا اس کے ہاتھ تو خداتعالیٰ کے ہاتھ بن گئے مگر وہ ہمیشہ شل اور مفلوج رہے اور کبھی انہیں توفیق نہ ملی کہ وہ اپنے وعدہ کے پورا کرنے کے لئے آگے بڑھتے۔ یہ ناممکن اور قطعی طور پر ناممکن ہے اور اگر کسی شخص کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے تو اس کے متعلق سوائے اس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کہ اس کی زبان خدا کی زبان ہے، اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ ہیں اور اس کے پاؤں خدا کے پاؤں ہیں محض جھوٹ ہے۔ اگر اس کی زبان خدا کی زبان ہوتی تو وہ کوشش کرتا کہ اپنے وعدہ کو وقت پر پورا کرے۔ کیونکہ خدا کی زبان جھوٹی نہیں ہو سکتی اور اگر اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ ہوتے تو وہ کبھی دین کے کاموں میں حصہ لینے کے موقع پر شل نہ ہو جاتے۔ کیونکہ خدا کے ہاتھ مغلول نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہود ہنسی کے طور پر کہا کرتے تھے کہ کیا خدا کے ہاتھ شل ہیں او روہ مغلول ہے کہ ہم سے چندہ طلب کرتا ہے۔ قرآن کریم اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ خدا کے ہاتھ شل نہیں بلکہ تمہارے اپنے ہاتھ شل ہیں کیونکہ اگر تم سمجھتے کہ ہمارا دینا خدا کا دینا ہے تو تم خوشی سے چندے دیتے لیکن جب تم اپنے دل میں انقباض محسوس کرتے ہو تو معلوم ہوُا کہ تمہارا ہاتھ خدا کا ہاتھ نہیں اور جب تمہارا ہاتھ خدا کا ہاتھ نہیں تو تمہارے اپنے ہاتھ مفلوج ہوئے نہ کہ خدا کے ہاتھ۔4 پس میں ان تمام دوستوں کو جنہوں نے تحریک جدید کا چندہ ادا کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ اپنے چندہ کو مئی میں ادا نہیں کر سکے تو اب اس کی ادائیگی کا فکر کریں کیونکہ انسان کی نیکی اور تقویٰ کا معیار یہ ہوتا ہے کہ جب اس سے کوئی غفلت یا سُستی ہو جائے یا بعض مجبوریوں کی وجہ سے کسی نیک تحریک میں جلد حصہ نہ لے سکے تو وہ نیکی کو اور بڑھا کر کرتا ہے تاکہ اس کی غلطی اور سُستی کا کفارہ ہو جائے۔ دنیا میں کئی مجبوریاں بھی گناہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور بسا اوقات دل پر

گناہوں کا زنگ لگ جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ظاہر میں مجبوریاں پیدا کر دیتا ہے تا وہ ثواب کے اعلیٰ مقام کو حاصل نہ کر سکے۔ پس وہ دوست جو مئی تک اپنے وعدوں کو پورا نہیں کر سکے انہیں کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے وعدوں کو جون یا جولائی میں پورا کر دیں تاکہ ان کی پچھلی غفلت کا کفارہ ہو سکے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ اکتوبر میں اپنا چندہ ادا کر سکتا ہے لیکن اس وجہ سے کہ وہ مئی میں ادا کر کے سَابِقُوْنَ میں شامل نہ ہو سکا۔ اب کفارہ کے طور پر اگست میں ادا کر دیتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ویسا ہی ثواب کا مستحق ہے جیسے مئی میں ادا کرنے والے اور اگر کوئی شخص جولائی میں چندہ ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن وہ اپنی غفلت کے کفارہ کے طور پر اور اپنے نفس پر تکلیف برداشت کر کے جون میں چندہ ادا کر دیتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ویسا ہی سمجھا جائے گا جیسے مئی میں ادا کرنے والے کیونکہ جب کسی سے غفلت ہو جائے تو بعد میں خواہ مقدار کے لحاظ سے زیادہ قربانی کرے اور خواہ تکلیف اٹھا کر میعاد سے قبل اپنے وعدے کو پورا کر دے۔ دونوں صورتوں میں اس کی کوتاہی کا کفارہ ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا مستحق بن جاتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ چونکہ اب مقررہ وقت گزر گیا ہے اس لئے جلدی کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگ وقت کے گزر جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب انہیں جلدی کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر میرے نزدیک اس سے زیادہ بد قسمتی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ انسان پہلے تو کسی مجبوری کی وجہ سے نیکی سے محروم رہے اور بعد میں بے ایمانی کی وجہ سے نیک کام میں حصہ نہ لے سکے۔ حالانکہ جو لوگ مجبوری کی وجہ سے کسی نیک کام میں شریک ہونے سے ایک وقت محروم رہتے ہیں۔ وہ بعد میں اگر اپنی کوتاہی کا ازالہ کر دیں تو بہت کچھ ثواب حاصل کر لیتے ہیں لیکن اپنی کوتاہی کا ازالہ نہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حصہ نہیں لے سکتے۔ مثلاً

وہ لوگ جنہوں نے مئی میں چندہ ادا کیا ہے بالکل ممکن ہے کہ ان میں کوئی شخص ایسا ہو جو دس ہزار روپیہ دینے کی توفیق رکھتا ہو مگر اس نے دیئے صرف دس روپے ہوں۔ اب ہمارے نزدیک تو وہ مئی میں چندہ ادا کرنے کی وجہ سے سَابِقُوْنَ میں سمجھا جائے گا مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہو گی کیونکہ وہ دس ہزار روپیہ دینے کی طاقت رکھتا تھا مگر اس نے صرف دس روپے دیئے۔ دوسری طرف ممکن ہے کہ ایک شخص اکتوبر میں چندہ دے سکتا ہے مگر وہ اپنے نفس پر تکلیف برداشت کر کے جون یا جولائی میں چندہ ادا کر دیتا ہے۔ اب ہمارے نزدیک تو وہ مئی میں چندہ ادا کرنے والوں سے باہر سمجھا جائے گا لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک ممکن ہے وہ مئی کے مہینہ میں چندہ ادا کرنے والے کئی لوگوں سے بہتر ہو کیونکہ اس نے اپنی طاقت سے زیادہ قربانی کی۔ پس کسی کا اس ابتلاء میں مبتلا ہونا کہ جب مئی میں مَیں وعدہ پورا نہیں کر سکا تو اب جلدی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی بہت بڑی بدقسمتی کی علامت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا پہلا کام جو بندوں کی نظر میں برا لیکن خدا کی نظر میں اچھا تھا اب وہ خدا کی نگاہ میں بھی برا بن گیا ہے۔ پس اس قسم کا خیال اگر کسی کے دل میں پیدا ہو تو اسے جلد سے جلد دور کر دینا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے تکلیف اٹھا کر وقت سے پہلے اپنا چندہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میں نے بار بار بتایا ہے کہ یہ روپیہ سلسلہ کے لئے جائداد پیدا کرنے پر لگایا جاتا ہے اور اس روپیہ سے جو زمینیں خریدی گئی ہیں اگروقت پر ہم اس کی قسط ادا نہ کریں تو دس فی صدی حرجانہ پڑ جاتا ہے۔ پس جتنی جتنی کوئی شخص چندہ ادا کرنے میں دیر لگاتا ہے اتنی ہی وہ اپنے ثواب میں کمی کرتا اور سلسلہ پر دس فی صدی حرجانہ ڈالنے کا باعث بنتا ہے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ جو دوست اب تک تحریک جدید کا چندہ ادا نہیں کر سکے وہ اب جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اول تو وہ کوشش کریں کہ جون میں ہی ان کا چندہ ادا ہو جائے اور اگر جون میں ادا نہ کر سکیں تو جولائی میں

ادا کرنے کی کوشش کریں اور اگر جولائی میں ادا نہ کر سکیں تو اگست میں ادا کرنے کی کوشش کریں تا خدا تعالیٰ کے حضور وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو سباق کی روح اپنے اندر رکھتے اور نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو وہ اب مئی میں ادا کرنے والوں کی لسٹ میں نہیں آ سکتے مگر خدا کے نزدیک ممکن ہے کہ وہ اپنے اخلاص کی وجہ سے مئی میں ادا کرنے والوں کی فہرست میں آ جائیں بلکہ ممکن ہے ایک شخص جون یا جولائی یا اگست میں چندہ ادا کر کے خدا کے حضور اپریل بلکہ مارچ میں ادا کرنے والوں کی لسٹ میں آ جائے۔

اس کے بعد مَیں زمینداروں کو بھی اس تحریک کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ دفتر کی غلطی کی وجہ سے اس دفعہ زمیندار دوستوں کے لئے بھی مئی کے آخر تک چندہ ادا کرنے کی تاریخ مقرر کر دی گئی تھی حالانکہ زمیندار مئی کے مہینہ میں کوئی چندہ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مئی میں ان کی کوئی فصل نہیں نکلتی۔ وہ خریف کی فصل کی وجہ سے یا تو جنوری اور فروری میں ادا کر سکتے ہیں اور یا پھر ربیع کی فصل کی وجہ سے جون اور جولائی میں چندہ ادا کر سکتے ہیں۔ پس دفتر کو چاہئے تھا کہ زمینداروں کے لئے تیس جون یا 15جولائی تک کی تاریخ مقرر کرتا مگر اس نے غلطی سے زمینداروں کے لئے بھی 31 مئی تک کی تاریخ مقرر کر دی لیکن پھر بھی بعض مخلص زمینداروں نے اپنا چندہ ادا کر دیا ہے خواہ انہیں کہیں سے قرض لے کر ہی ادا کرنا پڑا ہے۔ بہرحال چونکہ زمینداروں کے لئے یہ تاریخ موزوں نہیں تھی جس کی وجہ سے اکثر زمیندار دوست چندہ ادا نہیں کر سکے اس لئے باقی زمیندار دوست کوشش کریں کہ جون کی 30 تاریخ تک یا جولائی کی 15 تاریخ تک اپنا چندہ ادا کر دیں۔ اس عرصہ میں ان کی فصل فروخت ہو جائے گی اور انہیں اپنی رقم کے ادا کرنے کا موقع مل جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی جو لوگ تحریک جدید کے بقایا دار ہیں انہیں بھی میں بقایوں کی ادائیگی کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس وقت تک گزشتہ سالوں کا

پچیس تیس ہزار کے قریب روپیہ وصول کے قابل رہتا ہے۔ مگر ان بقایا داروں میں سے بعض دوست کچھ ایسے مستقل مزاج واقع ہوئے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اب تحریک جدید کا ساتواں سال گزر رہا ہے۔ انہوں نے وعدہ کے باوجود کسی ایک سال کا چندہ بھی ادا نہیں کیا یا صرف ایک یا دو سال میں چندہ ادا کیا ہے اور باقی سالوں میں کوئی رقم ادا نہیں کی۔ فرض کرو انہوں نے تیسرے سال چندہ لکھوایا تھا تو وہ سال گزر گیا اور انہوں نے چندہ میں ایک پیسہ بھی ادا نہ کیا۔ پھر چوتھا سال شروع ہوا تو انہوں نے اصرار کر کے چوتھے سال میں اپنا چندہ لکھوایا اور کہا کہ اب وہ تیسرے سال کا بھی چندہ ادا کریں گے اور چوتھے سال کا بھی۔ مگر چوتھا سال بھی گزر گیا اور انہوں نے نہ تیسرے سال کا چندہ ادا کیا نہ چوتھے سال کا۔ پھر پانچواں سال شروع ہوا اور انہوں نے اصرار کر کے کہا کہ پانچویں سال میں ہمارا اتنا وعدہ لکھ لیا جائے۔ ہم پچھلے سالوں کا چندہ بھی ادا کریں گے اور اس سال کا بھی۔ مگر نہ انہوں نے تیسرے سال کا چندہ دیا، نہ چوتھے سال کا چندہ دیا اور نہ پانچویں سال کا چندہ دیا۔ پھر چھٹا سال شروع ہوا تو انہوں نے اپنا چندہ لکھوا دیا، مگر چھٹے سال میں بھی نہ انہوں نے تیسرے سال کا چندہ دیا، نہ چوتھے سال کا چندہ دیا، نہ پانچویں سال کا چندہ دیا اور نہ چھٹے سال کا چندہ دیا۔ اب ساتواں سال شروع ہوا تو انہوں نے پھر اصرار کر کے اپنا وعدہ لکھوایا مگر ان کی حالت اب بھی وہی ہے کہ نہ تیسرے سال کا انہوں نے چندہ دیا ہے، نہ چوتھے سال کا چندہ دیا ہے، نہ پانچویں سال کا چندہ دیا ہے، نہ چھٹے سال کا چندہ دیا ہے، نہ ساتویں سال کا چندہ دیا ہے۔ ایسے لوگ چونکہ متواتر اور مسلسل ایک لمبے عرصہ تک جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں اور چونکہ انہوں نے دین سے تمسخر اور استہزاء کیا ہے۔ اس لئے میں دفتر کو ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی لسٹ بھی وہ شائع کر دے تا کہ اگر ایک طرف ان لوگوں کے نام یادگار رہیں جنہوں نے سچائی اور دیانت کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کیا تو دوسری طرف ان لوگوں کے نام بھی بطور یادگار محفوظ رہیں جنہوں نے جان بوجھ کر سلسلہ سے

دھوکا کیا اور ایک جھوٹی عزت حاصل کرنے کے لئے وہ سالہا سال تک جھوٹ بولتے رہے۔ میرے نزدیک اگر ایک طرف مخلصین کا اخلاص ایسا ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے تو دوسری طرف یہ دھوکا بازی بھی ایسی ہے جو عبرت کے طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اگر کسی چیز کے متعلق لوگوں کو مجبور کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ اس میں ضرور حصہ لیں تو اگر ان میں سے کوئی سستی کرے تو وہ درگزر کے قابل سمجھی جا سکتی ہے اور خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کی اپنی مرضی شامل ہونے کی نہیں تھی۔ اسے چونکہ مجبور کیا گیا تھا اس لئے اس نے سستی دکھائی۔ مگر جس قربانی کے متعلق بار بار کہا جاتا ہے کہ وہ طوعی اور نفلی ہے اور اس میں شمولیت جبری نہیں بلکہ ہر شخص کی مرضی اور رضا و رغبت پر منحصر ہے اس میں اگر کوئی شخص اپنا نام پیش کر دیتا ہے اور پھر عملی رنگ میں کوئی قربانی نہیں کرتا اور نہ اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے تو اس کے متعلق سوائے اس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک جھوٹی عزت کا دلدادہ ہے اور چاہتا ہے کہ وہ کام بھی نہ کرے اور اس کا نام بھی ان لوگوں میں آ جائے جو مخلصین ہیں۔ پس چونکہ ایسے لوگوں نے ایک جھوٹی عزت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اس لئے میرے نزدیک یہ لوگ تعزیری طور پر اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے نام شائع کر دیئے جائیں تاکہ دوسروں کے لئے یہ نام عبرت کا موجب ہوں اور وہ کبھی اپنے آپ کو تطوع کے طور پر اس کام کے لئے پیش نہ کریں جس کے کرنے کے لئے وہ دل سے تیار نہ ہوں۔ اور اگر وہ خوشی سے کسی قربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں تو پھر چاہے جان چلی جائے انہیں اپنے عہد کو مرتے دم تک نبھانا چاہیئے اور کسی قسم کی سُستی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں ایسے لوگ جن کے ذمہ صرف ایک یا دو سال کی رقم ہو ان کے نام شائع نہ کئے جائیں۔ ان کو بھی اور مہلت دی جائے تاکہ اگر مجبوری سے ایسا انہوں نے کیا ہے تو معافی لے لیں اور اگر جان بوجھ کر غفلت کی ہے تو اصلاح کر لیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ اب جبکہ تحریک جدید کے بہت سے سال گزر چکے ہیں دوست اس چندہ کو جلد ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔اب ساتواں سال گزر رہا ہے اور اگلے سال دو تہائی سے زیادہ سفر طے ہو جائے گا اور ایک تہائی باقی رہ جائے گا۔اب بھی ساٹھ فیصدی حصہ گزرچکا ہے اور ساتواں دھاکہ شروع ہے۔ایسے وقت میں بہت زیادہ ہوشیاری اور بیداری کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے وقت کا کام بہت زیادہ ثواب کا موجب ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تہجد کی عبادت بڑی مقبول ہوتی ہے کیونکہ اس وقت انسان تھک کر چور ہو چکا ہوتا ہے اور جب ایسی حالت میں انسان عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے توخدا کے حضور اس کی عزت بہت بڑھ جاتی ہے۔تحریک جدید کے یہ دن بھی ایسے ہی ہیں جیسے بارہ بجے رات کے بعد کا وقت شروع ہوتا ہے۔ایسے اوقات میں جو شخص بشاشت کے ساتھ دین کے کاموں میں حصہ لیتا اور مسلسل قربانی کرتا چلا جاتا ہے اس کی قربانی خدا تعالیٰ کے حضور بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے کیونکہ وہ قربانی کر کے چُور ہو چکا ہوتا ہے۔پہلے سالوں میں ابھی اس کے ذخیرے خرچ نہیں ہوئے تھے مگر آخر میں وہ چندے دے دے کر تھک چکا ہوتا ہے اس لئے آخری سالوں میں وہ پہلے سالوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثواب حاصل کر لیتا ہے۔پس اس سال اور اگلے سال ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ وہ اپنے چندوں کو جلد سے جلد ادا کریں تاکہ اس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر سکیں۔"

(الفضل 27۔جون 1941ء)

---

1 بخاری کتاب الرِّقَاق باب التَّوَاضُعِ

2 السیرۃ الحلبیۃ جز3 صفحہ389 مطبوعہ مصر1935ء

3 خُشکہ: چھلکے اُبلے ہوئے چاول۔سُوکھا آٹا

4 وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا (المائدہ:65)